© rasailojaraid.com

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انیسویں صدی کے نصف آخر میں جب مسیحی مشنریوں نے پنجاب میں اپنی پیش رفت کا جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ حلقۂ مسیحیت میں داخل ہونے والوں کی ایک بڑی تعداد کچھ عرصہ مسیحی مراسم ادا کرتے رہنے کے باوجود اپنے آبائی مذاہب کی جانب لوٹ جاتی ہے۔ اس صورت حال کا بنیادی سبب یہ تھا کہ نو مسیحیوں کو اپنی برادری کی جانب سے سماجی مقاطعہ کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اُن سے روزگار چھن جاتا تھا اور سماجی طور پر وہ یکا و تنہا ہو جاتے تھے۔ مسیحی مشنری اس پوزیشن میں نہ تھے کہ حلقۂ مسیحیت میں داخل ہونے والے ہر شخص کو روزگار کی سہولتیں مہیا کرتے اور اُسے سماجی تحفظ دیتے۔ یہی وہ دور تھا جب پنجاب کے نہری نظام کو ترقی دی جا رہی تھی اور صدیوں سے بنجر پڑی زمینیں زیرِ کاشت لائی جا رہی تھیں۔ مسیحی مشنریوں نے حکومتِ وقت سے زمین کے وسیع قطعات حاصل کیے اور خالصتاً مسیحی دیہات آباد کرنے شروع کیے، تاکہ سماجی مقاطعہ کا شکار نو مسیحی ان دیہات میں آباد ہو کر کھیتی باڑی کریں اور اپنی سابق برادری سے کٹ کر زندگی گزارنے کے قابل ہوں۔ ایسے اکا دکا دیہات آج بھی پنجاب میں موجود ہیں۔

مسیحی مشنریوں کی یہ حکمتِ عملی کس حد تک کامیاب رہی؟ اس پر بارہا اظہارِ خیال کیا جا چکا ہے، مگر وطنِ عزیز کے مسیحی اہلِ دانش کے نزدیک کچھ فوائد کے باوجود اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ پنجاب کی مسیحی برادری عام آبادی سے کٹی رہی اور یہ "تنہائی" مسیحی اقلیتی آبادی کے لیے مفید ثابت نہیں ہوئی۔

آج وطنِ عزیز کی مسیحی آبادی کے مسائل وہ نہیں جو ڈیڑھ صدی پہلے تھے۔ مسیحی، مسلمان آبادی ہی میں نہیں بلکہ مسلمانوں کے گھروں میں آتے جاتے ہیں۔ کسی چھوت چھات کا انہیں سامنا نہیں اور اُن کے خلاف اُس طرح کا کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا، جس کا شکار وہ ہندو معاشرے میں تھے، مگر اس رواداری کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ مسیحی آبادی کا بڑا حصہ غریب ہے اور ایک اندازے کے مطابق شہروں کے ۵۵ فیصد مسیحی کچی آبادیوں میں رہتے ہیں جہاں زندگی کی بنیادی سہولتیں تک میسّر نہیں ہیں۔

کچی آبادیاں ہماری سیاست کا موضوع رہی ہیں، اور رواں تناظر میں شاید مستقبل میں بھی رہیں گی۔ انتخابات کے وقت سیاست دان وعدے کرتے ہیں کہ کچی آبادیوں کو قانونی حیثیت دی جائے گی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر برسرِ اقتدار آنے پر وہ وعدے ایفا نہیں کر سکتے اور برسوں سے قائم کچی آبادیوں کے مکینوں کو یہ الٹی میٹم مل جاتا ہے کہ وہ جگہ خالی کر دیں، کبھی بخیر و خوبی اور کبھی مزاحمت کے بعد کچی آبادیاں مسمار کر دی جاتیں ہیں، مگر مسمار ہونے والی ہر کچی آبادی ایسی ہی ایک نئی بستی کو جنم دے دیتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد یہی عمل پھر دُہرایا جاتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔

کچی آبادیوں کے مکین کہاں جائیں؟ شہری منصوبہ سازوں کے لیے شاید یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ اِس عدم توجہی کا سبب وسائل کی کمی ہو یا بے حسی، مگر وطنِ عزیز میں یہ صورتِ حال خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ کچی آبادیوں کے مکینوں کی مسلم اکثریت کے لیے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی، البتہ مسیحی مکینوں کی دست گیری کے لیے مسیحی تنظیمیں اور مذہبی رہنما متحرک ہیں۔ گزشتہ تیس برسوں میں ہر کیتھولک ڈایوسیس میں مسیحی مبشرین نے کوشش کی کہ کچی آبادیوں کے مکین مسیحیوں کو صاف ستھری رہائش مہیا کی جائے۔ اِس طرز کی جو کالونیاں وجود میں آئیں، ان میں سے پرانی (اور شاید سب سے بڑی) لاہور کے جنوب میں یوحنا آباد ہے۔ ۲۵ برس پہلے بلجیم کے کیپوچن پادری ہنری فان ڈین بروک نے کئی مربع کلومیٹر زمین خرید کر اس کی داغ بیل ڈالی تھی۔ بانی کا مقصد تو یہ تھا کہ شہری صفائی کے پیشے سے وابستہ کیتھولک مسیحی یہاں آباد ہوں، مگر جگہ شہر سے بہت باہر ہونے، نیز اس طبقے کی مفلوک الحالی آڑے آئی، کہ بانی کی خواہش کے باوجود کیتھولک یوحنا آباد میں کچھ زیادہ نہ آئے، البتہ خوشحال پروٹسٹنٹ لوگوں نے یہاں زمین خرید لی۔ یہ صورتِ حال بانی اور اُس کے ساتھیوں کے لیے چنداں خوش کن نہ تھی، کیتھولک آبادی کے لیے زمین کی خریداری میں مزید کشش پیدا کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ وہ پلاٹ آسان اقساط میں خرید سکتے ہیں، نیز ہر خریدار کو چار ہزار اینٹیں مفت دی گئیں تاکہ وہ ایک کمرہ تعمیر کر کے رہائش اختیار کر لے اور وقت کے ساتھ ساتھ اپنے وسائل کے مطابق مکان مکمل کر لے۔

یوحنا آباد کے کیتھولک بانی اور اُس کے ساتھیوں کے لیے یہ بات بھی پریشانی کا باعث رہی کہ آنے والے پروٹسٹنٹ مسیحیوں نے اپنے اپنے چرچ منظم کیے اور ان کی تعداد ۱۸ تک پہنچ گئی۔ کالونی کی مذہبی یک جہتی مسیحیت کی حد تک قائم رہنے کے باوجود، عملاً سراب ثابت ہوئی۔

یوحنا آباد کے تجربے کے بعد کیتھولک تنظیم "کاریتاس پاکستان" میدان میں آئی ہے، غیر ملکی معقول مالی وسائل کی موجودگی اور مقامی مذہبی قیادت پر انحصار کیے بغیر یہ تنظیم اس پوزیشن میں ہے کہ پادری بروک کے تجربے میں جو کمزوریاں تھیں، ان سے بچ سکے، تاہم یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ کیا ماضی کے "کلارک آباد" اور حال کے "یوحنا آباد" کے تجربات سے یکساں نتائج برآمد نہ ہوں گے؟ اگر "کلارک آباد" جیسی بستیوں نے مسیحیوں میں Exclusiveness پیدا کی اور وہ عام آبادی سے کٹ گئے تو "یوحنا آباد" اور "بہار کالونی" اِس صورتِ حال سے کیوں کر نبرد آزما ہوگی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بات دلچسپ ہے کہ یوحنا آباد کے تجربے کے بعد مسیحی مذہبی رہنما بھی یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ عام آبادی سے کاٹ کر مسیحیوں کو آباد کرنا چنداں مفید نہیں۔ مالٹا سے تعلق رکھنے والے ایک مشنری، عمانوئیل پریسی نے کہا ہے کہ "باہمی لڑائی جھگڑوں اور عداوتوں کو دیکھتے ہوئے میں تو زیادہ پُرامید نہیں ہوں کہ مسیحیوں کو ایک جگہ آباد کرنا مسئلے کا واقعی حل ہے۔ میں بڑی بڑی مسیحی بستیوں کے قیام کے حق میں نہیں۔ مسیحیوں کو عام مسلمانوں کے درمیان رہنا چاہیے۔"

کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ مسلم اور مسیحی تنظیمیں مل کر کچی آبادیوں کے مکینوں کے مسائل کی طرف توجہ دیں اور معاشرے میں موجود گروہ بندیوں کو مزید مضبوط نہ ہونے دیں۔

© rasailojaraid.com